ڈاکٹر صابر آفاقی

صوفیائے کشمیر

(۲)

(قسط اوّل کے لیے ملاحظہ ہو شمارہ جون ۱۹۷۴ء)

امیر کبیر سید علی ہمدانی (متوفی ۷۸۶ھ)

سید صاحب ہمدان (ایران) کے علوی خاندان کے چشم و چراغ تھے ۱۲ رجب ۷۱۴ھ میں پیدا ہوئے ان کے والد بزرگوار سید شہاب الدین ہمدان کے والی تھے۔ امیر کبیر نے ابتدائی تعلیم اپنے ماموں سید علاء الدولہ سمنانی (متوفی ۷۳۶ھ) سے حاصل کی۔ جب سید علی کی عمر بارہ سال کو پہنچی تو سید سمنانی نے ان کو شیخ ابو البرکات تقی الدین علی دوستی کے سپرد کر دیا۔ سید علی جلد ہی شیخ محمود مزدقانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تہذیب اخلاق و تزکیہ نفس کے لیے ریاضت شروع کر دی۔ چھ سال کے بعد وہ دوبارہ تقی الدین علی دوستی کے پاس آ گئے۔ سید علی ہمدانی نے حدیث کا درس شیخ نجم الدین سے لیا تھا۔ جب وہ دوسری مرتبہ شیخ مزدقانی کی خدمت میں پہنچے تو ان کو سیاحت کا حکم ہوا۔ چنانچہ وہ مرشد کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سفر پر نکل کھڑے ہوئے۔ اکیس سال (۷۳۲ تا ۷۵۳ھ) سیر و سیاحت کرتے رہے اور کسی جگہ قیام نہ فرمایا۔ اس طویل سیاحت کے دوران میں دیگر ممالک و امصار کے علاوہ آپ نے چین اور ترکستان کی بھی سیر کی اور چودہ سو اولیا سے استفادۂ معنوی و روحانی کیا اور بارہ حج کیے۔ ۷۵۳ھ میں ہمدان لوٹے اور یہاں ازدواجی زندگی کا آغاز کیا۔ ۷۷۳ھ میں انھوں نے دوبارہ ترک وطن کر کے مسافرت اختیار کی۔ کہتے ہیں کہ ۷۷۳ھ میں سید علی ہمدانی کی ملاقات ختلان میں امیر تیمور سے ہوئی اور کسی سیاسی بات پر امیر سے اختلاف پیدا ہو گیا۔ چنانچہ بعض مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ اسی اختلاف کے باعث سات سو علما و مریدین کے ہمراہ ۷۷۴ھ میں کشمیر پہنچے اور اس وادی میں پناہ گزین ہو گئے۔ کشمیر میں سید علی کے ورود سے قبل ان کے مرید سید حسین سمنانی اور تاج الدین سمنانی کشمیر آ گئے تھے اور ان کی آمد کے وقت سید حسین سمنانی سری نگر میں سکونت رکھتے تھے۔

سید علی ہمدانی نے اپنے مریدوں کو کشمیر کے اطراف و اکناف میں پھیل جانے کا حکم دیا تاکہ وہ کسب معاش کے ساتھ ساتھ اسلام کی اشاعت بھی کر سکیں۔ چھ ماہ کے مختصر قیام کے بعد سید علی ہمدانی سرزمین حجاز کے سفر پر چل پڑے۔ ۷۸۱ھ میں کشمیر لوٹے اور یہاں اڑھائی سال کے قیام کے بعد لداخ کے راستے ترکستان چلے گئے۔ پانچ سال کے بعد ۷۸۵ھ میں سید علی ہمدانی تیسری دفعہ کشمیر آئے ۷۸۶ھ میں حج کے لیے تشریف لے گئے اور یہ اہم مذہبی فریضہ ادا کرنے کے بعد پھر کشمیر آ گئے۔ سید علی ہمدانی پکھلی سے ہوتے ہوئے ترکستان کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں علیل ہو گئے اور چند روز کے بعد وفات پائی۔ سید علی ہمدانی کا انتقال ۷۸۶ھ کے ماہ ذی الحجہ میں ہوا تھا اور اس وقت ان کی عمر تہتر سال تھی انھیں کولاب ختلان (ترکستان) میں دفن کیا گیا جہاں آج بھی ان کا مزار مبارک موجود ہے۔

سید علی ہمدانی شافعی مسلک کے پیرو تھے لیکن انھوں نے کشمیر میں فقہ حنفی کو مروّج کیا۔ ان کا شمار عظیم علما، صوفیا اور مؤلفین میں ہوتا ہے۔ اس درویش عالم کے مراکز تبلیغ و ارشاد ایران، ترکستان اور کشمیر میں تھے اور اس طرح انھوں نے ان تین ملکوں کے درمیان تہذیبی و ثقافتی اور مذہبی و روحانی وحدت و ہم بستگی قائم کی۔ سید علی ہمدانی کی ان تھک کوششوں سے سینتیس ہزار باشندگانِ کشمیر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس لیے بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ کشمیر میں وہی اسلام کے مبلغ اور تمدن اسلامی کے مؤسس تھے۔ اقبال نے بالکل بجا فرمایا ہے:-

مرشدِ آن کشورِ مینو نظیر! ‏ میر و درویش و سلاطین را مشیر

خطہ را آن شاہِ دریا آستین ‏ داد علم و صنعت و تہذیب و دین

سید علی ہمدانی نے بے شمار ایرانی صنعتوں کو کشمیر میں فروغ دیا۔ علم و ادب کی ترقی کے لیے انھوں نے سری نگر میں ایک عظیم الشان کتاب خانہ بھی قائم کیا۔ ایک روایت کے مطابق انھوں نے عربی و فارسی کی کتابیں اپنے ذاتی کتاب خانہ سے اس کتاب خانہ میں منتقل کر دی تھیں۔ سید علی اور ان کے ایرانی مریدوں نے جو تقریباً سبھی عالم و صوفی تھے، کشمیر میں فارسی زبان کی ترویج و تعمیم میں حصہ لیا۔

سید علی ہمدانی عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک زبردست مصنف بھی تھے۔ انھوں نے تقریباً چوالیس تالیفات فارسی میں اور بیس عربی میں یادگار چھوڑی ہیں۔ بعض کتابوں کی فہرست یہ ہے۔

ذخیرۃ الملوک، مشارب الاذواق، اصطلاحات الصوفیہ، مرأۃ التائبین، مکتوبات امیریہ

کتاب السبعین، رسالہ فتحیہ، واردات، مناجات، مودۃ القربیٰ، اربعین، اوراد فتحیہ، روضۃ الفردوس، علم القیافہ، رسالہ فتوتیہ، منازل السائرین، رسالہ درویشیہ، مکارم اخلاق، ذکریہ، رسالہ نوریہ، شرح قصیدہ فارضیہ، ان میں سے کئی تالیفات طبع ہو چکی ہیں۔

شاہِ ہمدان نے متعدد کتابیں کشمیر میں قیام کے دوران تالیف فرما کر اپنے مریدوں اور کشمیر کے نومسلموں میں تقسیم کر دی تھیں۔ کشمیر کے دیگر صوفیا کی طرح سید علی ہمدانی بھی فارسی زبان کے شاعر تھے۔ ان کی غزل خاص جذب و مستی اور کیف و اثر رکھتی ہے۔ غزلیات کا مجموعہ "چہل اسرار" کے نام سے چند سال پیشتر تہران میں شائع ہو چکا ہے۔ نمونہ کے طور پر ایک غزل کے یہ اشعار ملاحظہ فرمایئے۔

دیدہ ام حسن و جمالی کہ درو حیرانم ‏ ‏ گشتہ تا محو تجلّای جمالش جانم

خطِ رخسارِ تو ہر لحظہ درو می خوانم ‏ ‏ تا شد از صفحۂ دل محو نقوشِ کونین

طرفہ حالیست کہ ہم دردم و ہم درمانم ‏ ‏ روزگاریست کہ ہم طالب و ہم مطلوبی

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا ہے شاہ ہمدان اہل کشمیر کے لیے ایران سے اسلام، فارسی زبان اور ایرانی صنائع جیسے تحائف لائے تھے۔ انھوں نے وادیٔ کشمیر کے علاوہ پہاڑی علاقوں میں بھی مدارس اور خانقاہیں تعمیر کی تھیں۔

میر محمد ہمدانی (متوفی ۸۵۴ھ)

سید علی ہمدانی کی وفات کے بعد ان کے فرزند میر محمد ہمدانی نے کشمیر میں اشاعتِ اسلام کا کام جاری رکھا۔ میر محمد ہمدانی سلطان سکندر کے عہد میں ۷۹۸ھ میں کشمیر میں تشریف لائے اور سرینگر میں دریائے جہلم کے کنارے پر مسجد تعمیر کروائی جو خانقاہِ معلیٰ کے نام سے مشہور ہوئی اور آج بھی مسلمانانِ وادیٔ کشمیر کا مذہبی اور سیاسی مرکز یہی مسجد ہے۔ اپنے والد کی مانند میر محمد ہمدانی بھی تقریباً تین سو علما و صوفیائے ایران کو اپنے ہمراہ لائے تھے اور انھیں اسی سرزمین میں آباد کر دیا تھا۔ میر محمد ۸۱۱ھ تک کشمیر میں سکونت پذیر رہے اور اس طرح چودہ سال کے لگ بھگ خلق خدا کی خدمت و راہنمائی میں مشغول رہے۔ ان کی کوششوں سے سلطان سکندر (متوفی ۸۲۰ھ) کے عہد میں خانقاہِ والا، خانقاہ اعلا اور خانقاہِ کبرویہ سرینگر میں تعمیر ہوئی۔ شیخ بہاء الدین گنج بخش (متوفی ۸۵۶ھ) امیر کبیر کے خلفا اور کبار مشائخ کشمیر میں شمار ہوتے ہیں۔

شیخ نورالدین ولی (متوفی ۸۴۲ھ)

نورالدین ولی وادیٔ کشمیر کے قصبہ کیموہ میں ۷۷۹ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام شیخ سالارالدین اور والدہ کا نام سدرہ تھا۔ ان کے والد راجگان کشتوار کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور یاسمن ریشی کے ذریعے نور اسلام سے فیض یاب ہوئے تھے۔ شیخ نورالدین، ریشی کے نام سے مشہور ہیں سنسکرت میں ریشی کے معنی حکیم قدوسی اور دوستِ خدا کے ہیں۔ نورالدین کشمیر میں سلسلۂ ریشیہ کے بانی تھے۔ اور بقول ابوالفضل اس عہد میں دو ہزار ریشی کشمیر میں موجود تھے۔ آرنلڈ نے اپنی تاریخ "پریچنگ آف اسلام" میں لکھا ہے کہ ریشی درویش پھل کھاتے، پودے لگاتے اور تجرد کی زندگی بسر کرتے تھے۔

نورالدین ولی کو ہندو نند ریشی کہتے اور ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ بہاءالدین متو نے ریشیوں کے بارے میں کہا ہے۔

ہمہ شاہانِ ملکِ تجریدند ہمہ مستانِ جامِ توحیدند

داؤد خاکی (متوفی ۹۸۴ھ) قصیدہ لامیہ میں فرماتے ہیں۔

شیخ نورالدین ریشی، پیرِ جمع ایشاں زاہدِ خوش بود، با حق داشت بسیار اشتغال
بود با تجرید و تفرید اہلِ صوم دہر نیز تارکِ لحم و بصل، شیر و عسل بسیار سال
صاحبِ کشف و کرامت بود و نطقِ خوب داشت ہم اویسی بود گفت ایں راوی صاحب مقال

مندرجہ بالا اشعار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ریشیوں کے افکار و آدابِ سلوک کس طرح کے تھے۔ نورالدین ولی صوفی ہونے کے علاوہ کشمیری شاعری کے بانی بھی سمجھے جاتے ہیں۔ ملّہ عارفہ کی طرح ان کے گیت اور کشمیری ضرب الامثال آج تک کشمیری عوام میں مقبول ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اصل کشمیری خواہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو، نورالدین ولی کو قومی صوفی سمجھتے ہیں۔ ان کی مقبولیت و عظمت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ عطا محمد خاں افغان نے ۱۲۲۳ھ میں اپنی گورنری کے دوران ان کے نام کا سکہ جاری کیا تھا۔

شیخ نورالدین ولی تریسٹھ سال کی عمر میں ۸۴۲ھ میں فوت ہوئے۔ اس وقت کشمیر میں سلطان زین العابدین کی حکومت تھی۔ ان کا مزار چرار شریف میں آج بھی مرجع خلائق ہے۔ چرار شریف سرینگر سے بارہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ شیخ نورالدین کے بعد ان کے چار خلفا بابا نصرالدین،

بام الدین، زین الدین اور لطیف الدین نے ریشی سلسلہ کو آگے بڑھایا۔

سلطان العارفین شیخ حمزہ مخدوم (متوفی ۹۸۴ھ)

شیخ حمزہ مخدوم کشمیر کے ممتاز اصحاب کشف و کرامت صوفیا میں تھے۔ وہ تیجر کے مقام پر ۹۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام بابا عثمان تھا اور وہ نسب کے اعتبار سے چندربنسی تھے۔ ان کے بھائی بابا علی رینہ بھی مشہور صوفی و درویش اور انہی کے خلیفہ مجاز تھے۔ علی رینہ نے شیخ حمزہ کے حالات زندگی کو "تذکرۃ العارفین" میں جمع کیا تھا۔ یہ تذکرہ بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ شیخ حمزہ ابتدائی تحصیلات کے بعد بابا اسماعیل کبروی کے پاس پہنچے اور مدرسہ دار الشفا میں علوم مروجہ حاصل کیے۔ ان کے اساتذہ میں ملا لطف اللہ اور ملا فتح اللہ جیسے مشہور علما بھی تھے۔ حمزہ دینی علوم میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ تذکرۃ العارفین میں شیخ حمزہ کے اصحاب کا ذکر بھی موجود ہے۔ ان میں مندرجہ ذیل خاص اہمیت رکھتے تھے۔ داؤد خاکی، میر حیدر تارہ بلی، نوروز ریشی، شیخ احمد چاگلی، مہدی ملک، شیخ محمد اسلام، شیخ زینون، خواجہ عبداللہ، مولانا شاہ دولت، شیخ کنکی ریشی، شیخ علی رینہ، ملا عبدالعزیز، مولوی ابراہیم، شیخ محمد ہادی، بابا نورالدین۔ شیخ احمد چاگلی نے تصوف میں سلطانیہ کے نام سے ایک رسالہ ۹۸۲ھ میں سپرد قلم کیا تھا جس میں دیگر مباحث کے علاوہ اپنے مرشد کا مرتبہ بھی بیان کیا ہے۔

شیخ حمزہ کے مریدوں میں ایک خواجہ میرم بزاز بھی تھے جو تذکرۃ المرشد کے مؤلف ہیں۔ یہ تذکرہ ۹۹۷ھ میں لکھا گیا تھا۔ شیخ حمزہ کے ایک اور مرید خواجہ حسن قاری نے کتاب راحت الطالبین تالیف کی۔ خواجہ اسحاق قاری نے چلچلۃ العارفین لکھی اور اس میں اپنے مرشد شیخ حمزہ کے حالاتِ زندگی تحریر کیے۔ غلام احمد سوپوری نے چودھویں صدی عیسوی کے شروع میں حمزہ کے فضائل و کمالات پر ایک مثنوی بھی لکھی تھی۔ ایک اور مرید مولوی محمد جعفر نے رموز الطالبین کے نام سے کتاب مرتب کی تھی۔

شیخ حمزہ کو سلطان غازی چک نے قصبہ بیرو میں نظر بند کر دیا تھا۔ خواجہ طاہر رفیق آشائی شیخ حمزہ سے دوستانہ مراسم رکھتے تھے۔ چنانچہ شیخ حمزہ کے کہنے پر طاہر اشائی نے ملا یعقوب صرفی اور داؤد خاکی کو دہلی جا کر تسخیر کشمیر کے لیے اکبر سے درخواست کرنے کا مشورہ دیا۔ آخر کار انہی بزرگوں کی کوششوں سے اکبر نے فتح کشمیر کا ارادہ کیا اور کشمیر کو اپنی سلطنت کا حصہ بنا لیا۔ شیخ حمزہ مخدوم نے بعہد علی شاہ چک ۹۸۴ھ میں دنیائے فانی سے رخصتِ سفر باندھا۔ ان کا مزار سرینگر

ہیں کوہ ماران کے نشیب میں ہے۔ داؤد خاکی نے اپنے مرشد روحانی کی تاریخ وفات یوں لکھی ہے۔

چو جستم سالِ تاریخِ وفاتش مناسب یافتم مخدوم مرحوم
۹۸۴ھ

شیخ العلما بابا داؤد خاکی (متوفی ۹۹۴ھ)

داؤد خاکی تصوف میں سلطان العارفین شیخ حمزہ مخدوم کے خلیفہ تھے۔ وہ ۹۲۸ھ میں سرینگر کے گنائی خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔ رشتے میں وہ ملا محمد یعقوب صرفی کے خالہ زاد بھائی تھے۔ افسوس ہے کہ خاکی کی ابتدائی زندگی کے حالات نہیں ملتے۔ بہرصورت انھوں نے ساری زندگی اپنے مرشد کے قدموں میں گزاری تھی۔ ایک آدھ بار انھوں نے لاہور اور ملتان کا سفر بھی کیا اور شیخ احمد قادری سے ملاقات کی تھی۔ چنانچہ شیخ احمد قادری، خاکی کے مشورے سے ہی ۹۶۱ھ میں کشمیر آئے تھے۔ خاکی بہت بڑے مبلغ اسلام اور مصلح قوم تھے۔ وہ نظریۂ وحدتِ وجود کے حامل تھے اور تمام ملل و ادیان کی وحدت کے قائل تھے۔ فرماتے ہیں۔

گہ بہ مسجد روم و گاہ بہ مے خانہ شوم من بے چارہ ترا می طلبم از ہر سو

خاکی کے مشہور مریدوں میں خواجہ محمد پارسا تھے، جنھوں نے زہد و تقویٰ میں نام پیدا کیا۔

داؤد خاکی نے ۹۹۴ھ میں وفات پائی۔

ملا محمد یعقوب صرفی (متوفی ۱۰۰۳ھ)

شیخ یعقوب متخلص بہ صرفی بن میر حسن بن محمد علی گنائی ۹۲۸ھ میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں قرآن حکیم حفظ کیا اور شعر گوئی شروع کی۔ ابتدا میں اپنے والد سے اصلاح لیتے رہے۔ پھر ملا جامی (متوفی ۸۹۸ھ) کے شاگرد ملا آنی خلانی کی شاگردی اختیار کرلی۔ اسلامی علوم کی تحصیل مولانا رضی الدین اور حافظ بصیر سے کی اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد انیس سال کی عمر میں سمرقند چلے گئے۔ وہاں شیخ کمال الدین حسین خوارزمی کے خلیفہ بن گئے اور طالبانِ حقیقت کو سلسلۂ کبرویہ میں بیعت کرنے لگے۔ یعقوب صرفی کی شہرت کا یہ عالم تھا کہ وزیر اعظم کشمیر یوسف میر کے فرزند محمد میر ان کے مریدوں میں شامل ہوگئے تھے۔ صرفی کی شخصیت بڑی متنوع تھی۔ وہ مفسر قرآن، محدث، فقیہ، صوفی، شاعر، نثر نویس، سیاح اور سیاست دان تھے۔ انھوں نے بڑے بڑے سفر کرکے مختلف ممالک کے رجال سے استفادہ کیا تھا۔ انھوں نے کابل میں جلال الدین دوانی اور میر عبداللہ،

ابوالمعالی، بدخشاں میں محمد علی شمس الدین اور شاہ یوسف مجذوب، بلخ میں محمد زاہد بلخی اور دوست محمد خاں، نارنول میں شیخ نظام الدین اور قاضی محمد صالح، سبزوار میں صادق محمد، بخارا میں جلال ولی اور شیخ ناصر، گجرات میں سید محمد مہدی، بلوچستان میں ابراہیم خاموش، لاہور میں موسیٰ آہنگر، سرہند میں مجدد الف ثانی، دہلی میں شاہ عبدالعزیز، آگرہ میں جلالی، فتح پور سیکری میں شیخ سلیم چشتی، اجمیر میں معین الدین چشتی اور احمد آباد میں محمد غوث سے ملاقات کی تھی۔ انھوں نے طویل سفر کے دوران تاشقند، یارقند، قراکول، مشہد، طوس، شام، عراق، قزوین، بغداد، حجاز، یمن کی سیاحت کی اور بغداد میں خرقۂ امام ابوحنیفہ اور مشہد میں عصائے امام رضا پایا۔ سعید نفیسی کے بقول صرفی نے شاہ طہماسپ صفوی سے ملاقات کرکے ان کو امور دینی میں بے تعصبی اور انصاف کو اپنانے کی نصیحت کی تھی۔

صرفی علوم دینی میں صادق طارمی، شیخ حسن طارمی، شیخ عبداللہ، شیخ محمد بکر، ابوسلمہ، شیخ علی ہندی، شیخ یوسف مغربی، شیخ عثمان حبشی اور شیخ ابن حجر مکی کے شاگرد تھے۔ علم حدیث میں شیخ احمد سرہندی معروف بہ مجدد الف ثانی، شیخ یعقوب صرفی کے شاگرد تھے۔

یعقوب صرفی نے ۹۵۳ھ میں سید علاء الدین کی دختر سے شادی کی اور صاحب اولاد ہوئے۔ ان کے پانچ بھائی تھے اور سبھی عالم و صوفی تھے۔ میر کمال الدین اور میر فورد ان سے بڑے اور میر محمد شریف، میر محمد ابراہیم اور میر حیدر چھوٹے تھے۔

یعقوب صرفی عوام میں تو مقبول تھے ہی خواص اور سلاطین کی نظر میں بھی ان کی بہت عزت تھی۔ ہمایوں اور اکبر اعظم ان سے عقیدت و ارادت رکھتے تھے اور آئین اکبری کی شہادت کے مطابق ان کی ذات تمام امور دینی میں سند مانی جاتی تھی۔ عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ جب صرفی اپنے وطن مالوف کشمیر لوٹ کر گئے تو دیکھا کہ ملت دو فرقوں یعنی شیعہ اور سُنی میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے اور یہ اختلاف یہاں تک ہے کہ کشمیر کا سلطان یعقوب شاہ چک بھی شیعوں کا حامی و پشتیبان ہے۔ صرفی کو یہ حالت ایک آنکھ نہ بھائی۔ چنانچہ وہ بابا داؤد خاکی اور کچھ دیگر اکابر ملت کے ہمراہ دہلی پہنچے اور اکبر اعظم سے درخواست کی کہ وہ کشمیر کو فتح کرکے فرقہ وارانہ تعصبات اور جنگ و جدال کا خاتمہ کردے۔ فتح کشمیر کے سلسلے میں انھوں نے تین شرطیں اکبر کے سامنے رکھی تھیں۔

اولاً یہ کہ بادشاہ امور دینی میں مداخلت نہ کرے۔

ثانیاً یہ کہ حکام کشمیریوں کو بردہ نہ بنائیں۔
ثالثاً یہ کہ کشمیری امرا کو امورملکی سے جدا رکھا جائے۔
اکبر نے مندرجہ بالا شرائط کو قبول کرلیا اور اس سنہ ۹۹۴ھ میں کشمیر کو فتح کرکے سلطنت مغلیہ کا حصہ بنا دیا۔

شیخ صرفی اس واقعہ کے آٹھ سال بعد ۱۲ ذی قعدہ ۱۰۰۳ھ کو اس دنیائے فانی سے چل بسے ان کا مقبرہ زینہ کدل سرینگر میں ہے۔ جہاں عقیدت مند صبح و شام حاضری دیتے ہیں۔ ان کی تاریخ وفات "شیخ امم بود" سے نکلتی ہے۔

صرفی کو شاہ ہمدان کے بعد عربی و فارسی کے دوسرے بڑے مؤلف کی حیثیت سے ماننا چاہیئے۔ مندرجہ ذیل تالیفات ہمارے دعویٰ کی تصدیق کرتی ہیں۔

۱۔ مطلب الطالبین (تفسیر قرآن عربی) (۲) شرح صحیح بخاری (۳) شرح اربعین (۴) حاشیہ بر توضیح تلویح (۵) مناقب الاولیا (۶) کنز الجواہر (۷) رسالہ الاذکار (۸) شرح رباعیات (۹) مناسک الحج (۱۰) ید بیضا (۱۱) شرح ثلاثیات بخاری (۱۲) تقریظ بی نقطہ بر سواطع الالہام فیضی (۱۳) خمسہ (۱۴) دیوان اشعار (۱۵) روائح۔

شاعری میں ملا آنی صرفی کے استاد تھے اور انھوں نے اپنے لائق شاگرد کو ثانی جامی کا لقب دیا تھا۔ صرفی نے جامی کی تقلید میں خمسہ یعنی پانچ مثنویاں لکھی تھیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ مسلک الاخیار: مسائل اخلاق و تصوف میں ہے۔ مخزن الاسرار کے جواب میں لکھی گئی ہے اور چار ہزار بیت پر مشتمل ہے۔ یہ مثنوی ۹۹۳ھ میں لکھی گئی۔

۲۔ وامق و عذرا: وامق و عذرا کی داستانِ معاشقہ کو سب سے پہلے عنصری نے ۴۲۱ھ میں نظم کیا تھا۔ پھر کئی اور شاعروں نے اسے نظم کا لباس پہنایا تھا۔ صرفی نے اسے ۹۹۲ھ میں نظم کیا تھا۔ اس کے کل ابیات کی تعداد تین ہزار چھ سو چار ہے۔

۳۔ لیلی و مجنون۔ یہ بھی قدیم داستان ہے۔ صرفی نے اسے ۹۹۰ھ میں نظم کیا تھا۔ بیان تو عشق حقیقی کے مسائل ہوئے ہیں لیکن وہ عشق مجازی کی اہمیت کے منکر بھی نہ تھے۔ فرماتے ہیں

متاب از عشق رو گرچہ مجازیست کہ از بہر حقیقت کارسازیست

ابیات کی تعداد دو ہزار چھ سو آٹھ ہے۔

۴۔ مغازی النبیؐ: غزوات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بیان ہوا ہے۔ صرفی نے ضمناً شخصی احوال بھی بیان کیے ہیں۔ تین ہزار تین سو اسی بیت کی یہ نظم ... اھ میں لکھی گئی تھی۔

۵۔ مقاماتِ مرشد: صرفی نے اس مثنوی میں منازل سلوک اور مسائل عرفان کو بیان کیا ہے۔ یہ ... اھ میں لکھی گئی تھی۔

کلام صرفی میں فلسفہ اخلاق، تصوف، عشق کے مطالب و مضامین ملتے ہیں۔ صرفی وحدت وجود کے قائل تھے۔ فرماتے ہیں۔

خوش آنکہ دلش صاف ز ہر رنگ شود ۔۔۔ بیرون ز ہمہ آشتی و جنگ شود
با دلبر من کہ رنگ او بی رنگیست ۔۔۔ ہم رنگ کسی شود کہ بی رنگ شود

ایک غزل کے یہ دو شعر بھی ملاحظہ فرمایئے۔

در صد ہزار آئینہ یک دوست جلوہ گر ۔۔۔ در ہر چہ بینم آں رخ نیکوست جلوہ گر
خلقی بہر طرف شدہ سرگشتہ بہر دوست ۔۔۔ ویں طرفہ ترکہ دوست بہر سوست جلوہ گر

مندرجہ ذیل حضرات یعقوب صرفی کے خلیفہ تھے۔

(۱) خواجہ حبیب اللہ نوشہری (۲) شاہ قاسم حقانی (۳) خواجہ یعقوب ڈاروی (۴) خواجہ حبیب اللہ عطار (۵) مرزا کامل بیگ بدخشی (۶) شیخ نعمت اللہ (۷) حاجی عبد السلام قلندر (۸) عبد الوہاب نوری (۹) شاہ فضل اللہ نوری (۱۰) شاہ اسد اللہ نوری (۱۱) شاہ عظیم الدین نوری (۱۲) شاہ محی الدین نوری (۱۳) محمد علی نوری (۱۴) پیر محی الدین نوری (موجودہ مسند نشین)

یعقوب صرفی کے فرزند ملا کبیر حسن بھی مشہور عالم تھے۔ انھوں نے شمائل ترمذی کو استنساخ کر کے اس پر حواشی تحریر کیے تھے۔ اس وقت یہ نسخہ ڈھاکہ یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے اور اس پر ۱۰۵۵ھ کا سال درج ہے۔